مطالعات و تعلیقات

از قاضی اطہر مبارکپوری

خوداعتمادی و خودداری:- بخاری شریف کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی رسّی وغیرہ لیکر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑی کا بوجھ باندھکر اور اپنی پشت پر لاد کر لائے اور اسے فروخت کرے جس سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت آبرو کو بچائے یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے اور لوگ اسے دیں یا نہ دیں،

عزت نفس اور خودداری وخود اعتمادی اسلام کی خاص تعلیم ہے اور اس نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے، توحید کا لب لباب یہی ہے کہ انسان ایک اللہ کا عقیدہ رکھکر اپنے اندر اسی پر اعتماد ویقین کی روح پیدا کرلے اور دنیا بھر سے بے نیاز ہوجائے، اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سب کچھ سمجھکر اسی کے بھروسہ پر کام کرے، دوسروں سے

اپنے معاملات میں تعاون دوسری بات ہے، اور دوسروں کے سہارے جینے کی بات اور ہے۔

عفو اور درگزر حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

افضل أخلاق المسلمين العفو[1] :- مسلمانوں کا بہترین خلق درگزر کرنا ہے

خوش خلقی کا اسلام میں بڑا مقام ہے، اس کا تعلق اگرچہ معاملات سے ہے۔ مگر اس کا وزن اہم ترین عبادات یعنی نماز روزہ کے برابر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، پھر اخلاق میں سب سے زیادہ افضل واحسن خلق ہے، اپنے خطاکاروں، جفاکاروں اور غلط کاروں سے عفو اور درگزر کرنا ہے، غصہ کو ضبط کرلینا، جواب نہ دینا، بدلہ نہ لینا عفو میں شامل ہے اور یہ بہترین اخلاق میں سے ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ بہت ہی مشکل کام ہے کہ کوئی ہمیں گالی دے اور ہم کچھ نہ بولیں، کوئی ہمیں نقصان پہونچائے اور ہم اسے برداشت کرکے رہ جائیں، اور کوئی ہمیں آنکھ دکھائے اور ہم نظر نیچی کرلیں۔

اپنی اصلاح اور دوسروں کی اصلاح احمد بن علی بن احمد علثی ابوبکر زاہد رحمۃ اللہ علیہ :- بہت بڑے عابد و زاہد اور صالح آدمی تھے، مشہور حنبلی امام قاضی ابویعلیٰ سے حدیث کا سماع کیا تھا اور مذہب حنبلی کی کتابیں ان سے پڑھی تھیں،

ان کے بارے میں ابن رجب حنبلی طبقات الحنابلہ میں لکھتے ہیں۔

وکان يعمل بيده ويجصص الحيطان۔ — اپنے ہاتھ سے دیواروں پر گچ کرتے تھے۔

[1] الزہد والرقائق ص۲۴۴

پھر اس پیشہ سے دست بردار ہوکر بغداد کی ایک مسجد میں گوشہ نشین ہوگئے، اسی میں امامت کرتے اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے، اور کسی سے کوئی چیز نہ طلب کرتے اور نہ کوئی دیتا تو قبول کرتے، رات دن عبادت تلاوت، اور صوم وصلوٰۃ میں لگے رہتے، کسب حلال کے لئے جو پیشہ حضرت ابوبکر زاہد نے اختیار فرمایا تھا اس کے چھوڑنے کی وجہ بھی معلوم کیجئے اور ایمانداری و دینداری کا سبق حاصل کیجئے۔

لکھا ہے کہ اس کام کے چھوڑنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مجبوراً آپ کو دوسرے مزدوروں کے ساتھ بادشاہ کے محل میں کام کرنے کے لئے جانا پڑا، محل میں تصویر اور مجسمے بنے ہوئے تھے۔ آپ نے تنہائی پاکر ان تمام تصویروں اور مجسموں کو توڑ ڈالا، جب مزدوروں کو اس کی خبر لگی تو وہ اسے بڑی اہمیت دینے لگے، آپ نے فرمایا۔

هذا منكر والله امر بكسره — یہ ناجائز ہے اور اللہ نے اس کے توڑنے کا حکم دیا ہے۔

شدہ شدہ یہ بات بادشاہ تک پہونچی مگر ساتھ ہی لوگوں نے سلطان سے یہ بتادیا کہ یہ شخص نہایت نیک اور صالح ہے اور دیانت میں مشہور ہے، اور مشہور بزرگ ابن الفرا کے حلقہ میں سے ہے۔ سلطان نے کہا۔

يخرج ولا يكلم ولا يقال له شيء يضيق به صدره ولا يرجع يجاء به الى عندنا[1] — نہ ان کو تکلیف دیجائے گی اور نہ ایسی بات کہی جائے گی جس سے ان کے دل کو ٹھیس پہونچے، البتہ اب وہ ہمارے یہاں کام کرنے کے لئے نہ آئیں۔

[1] طبقات الحنابلہ ج۱ ص۱۰۵

آپ مکہ مکرمہ میں عین حج کے موقع پر یوم عرفہ کی شام کو عرفات میں فوت ہوئے اور یوم نحر کو مکہ مکرمہ لائے گئے اور آپکے جنازہ کو کعبہ کا طواف کرایا گیا اور حضرت فضیل بن عیاض کے پہلو میں دفن کیا گیا، یہ واقعہ سنہ ۳۰۱ھ کا ہے،

جب ارباب علم و یقین اپنی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کا اقدام کریں گے تو ان کے کردار کی قدر کی جائے گی اور دنیا ان کو مانے گی، دنیا داری کرنے والے دوسروں کی اصلاح کیا کریں گے؟

دولت کی تقسیم کا ایک ذریعہ کفّارہ :- اسلامی معاشرہ میں دولت کی تقسیم کی مختلف صورتیں پیدا کی گئی ہیں تاکہ کسی نہ کسی صورت سے ایک دولت مند اور صاحب حیثیت مسلمان کی دولت اس کے بھائی بندوں تک پہونچ سکے۔ ان میں کچھ صورتیں فرض اور واجب ہیں، کچھ اختیاری ہیں اور بعض نفلی ہیں، مثلاً زکوٰۃ، صدقہ فطر، کفارہ، عشر، نفقہ، تبرعات، اور صدقات و خیرات، چنانچہ معاشرہ کے سینکڑوں افراد تک دولت پہونچانے کا ایک مستقل راستہ اسلام نے کفّارات کے ذریعہ مقرر کیا ہے کوئی شخص بلا عذر رمضان کا روزہ توڑ دے، یا کسی مسلمان کو بلا ارادہ کے قتل کر دے، یا اپنی بیوی سے ظہار کر لے، یا قسم کھا کر اسے توڑ دے تو بعض صورتوں میں لازمی طور پر اور بعض صورتوں میں اختیاری طور پر اسے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے مال کا کچھ حصہ بطور ادا بر خرچ کرے، یہ نقد روپیہ دینے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، اور کھانے کپڑے وغیرہ دینے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔

دولت کی تقسیم کی ایک یہ صورت ہے کہ کھانا کپڑا غرباء و مساکین کو اللہ کے نام پر دے کر اسکا ثواب مردے کو بخشدیا جائے، مگر اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفارات وغیرہ کا وجوب

واستحباب صرف دولت کی تقسیم کے لئے ہوا ہے اور اسکا مقصد یہی ہے، یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ امر تعبدی یعنی سراسر عبادت کا کام ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ، یہ دوسری بات ہے کہ ضمناً اس میں دولت کی تقسیم کی صورت پائی جاتی ہے اور اس طرح مال خرچ کرا کر شریعت نے صاحب مال کا ایک حصۂ مال غرباء و مساکین میں تقسیم کرایا ہے، اور اس عبادت کے کام کے ذریعہ غرباء و مساکین کی خبر گیری ہو جاتی ہے،

شعبان المعظم :- شعبان المعظم کا مہینہ رمضان المبارک کے استقبال اور اس کے لئے تیاری اور آمادگی کا مہینہ ہے اس کے بڑے فضائل و برکات ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے لئے ہمہ تیار ہو جاتے تھے، روزے رکھتے تھے، اتنے زیادہ روزے کہ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے ماہ میں اتنے زیادہ نفل روزے نہیں رکھتے تھے، راتوں کو اہل خانہ کو جگایا کرتے تھے تاکہ اٹھکر اللہ کی عبادت کریں۔ فرماتے تھے کہ رمضان تو اللہ کا مہینہ (شہر اللہ) ہے اور شعبان میرا مہینہ (شہر الرسول) ہے۔ اس ماہ مقدس کی نسبت آپنے اپنی طرف فرما کر اسکی عظمت و حرمت کو واضح فرمایا ہے، پس ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس ماہ میں نفلی روزے رکھیں، راتوں کو عبادت کریں اور اپنے کو آنے والی خیر و برکت کے لئے ابھی سے تیار کریں تاکہ دن کے روزہ اور رات کی عبادت کا اصل لطف حاصل کر سکیں، اس ماہ میں خاص طور سے ایک رات اور ایک دن رمضان المبارک کے رات دن کی طرح ہیں جنمیں روزہ اور عبادت کا خصوصی شغل ہوتا ہے اور آتے والے مبارک دنوں اور راتوں کی ایک گونہ لذت ملتی ہے۔

شب براءت :- لیلۃ البراءت یعنی شب براءت شعبان کی پندرہویں رات ہے، جس کی

فضیلت سنن کی احادیث میں بہت زیادہ آئی ہے، اور اس مبارک و مقدس رات میں اللہ کی عبادت کرنے کی بڑی اہمیت و ضرورت بتائی گئی ہے، اور اس کے بعد آنے والے دن میں روزہ رکھنا بہت ثواب کا کام ہے، شب برأت درحقیقت رمضان المبارک کی آمد کا روحانی و مقدس اعلان و اعلام ہے اور مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع ہے کہ اب تم اپنی راتوں اور اپنے دنوں کو اللہ کی عبادت و بندگی میں وقف کر دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ رمضان کی مقدس و مبارک راتوں کے استقبال میں شعبان کی پندرہویں رات عبادت و ریاضت میں گزارو اور اس کے بعد والے دن میں روزہ رکھ کر ماہ رمضان کے روزوں کا استقبال کرو، اور پندرہ دن پہلے سے اپنے دل و دماغ، اور قلب و نظر کو بدلنے کی کوشش کرو تاکہ آنے والی رمضان کی برکتوں سے بھرپور فائدہ اٹھا سکو، اور ایسا نہ ہو کہ خیر و برکت کی گھڑیاں آئیں اور بیت گئیں مگر تم محروم کے محروم ہی رہے، اور اس سے کوئی حصہ نہ لے سکے۔ برأت کے معنی بری ہونا، نجات پانا اور خلاصی حاصل کرنا ہیں۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ توبہ و استغفار کرنے والے گنہ گاروں کو نجات دیتا ہے، بیماروں کو شفا کی طلب پر بیماری سے نجات دیتا ہے، پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا لوگوں کو ان کی طلب پر پریشانی سے نجات دیتا ہے۔ ارواح مومنین کی تسکین کا سامان ہوتا ہے اور سر شام سے صبح تک انوار و برکات الٰہی کی توجہ انسانوں کی طرف ہوتی ہے۔

اس مبارک و مقدس رات میں عبادت اور اسکے بعد والے دن میں روزہ۔ یہی دونوں چیزیں اسلامی تعلیم میں شامل ہیں قوموا لیلھا و صوموا نھارھا فرمایا گیا ہے یعنی رات میں عبادت کرو اور تنہا تنہا قبرستان میں جا کر مردوں کے لئے دعا کرو۔ اور دن میں روزہ رکھو۔ پس جس مسلمان کو اللہ توفیق دے وہ اس مقدس تقریب سے فائدہ اٹھائے اور پندرہ

دن بعد آنیوالے مبارک لیل و نہار سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کے لئے اپنے کو آمادہ و مستعد کر لے۔ برتن پر قلعی سے چمک دمک آنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسے خوب دھو مانجھ لیا جائے، میل، مورچہ کھرچ کھرچ کر چھڑا لیا جائے تب اس پر قلعی اور پالش بہت عمدہ ہو گی۔ ایسی عمدہ کہ اس میں چہرہ تک نظر آئے، پس رمضان المبارک برکتوں سے بہرہ ور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے اس کی تیاری کی جائے اور اپنی روح کی کثافت دور کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے لئے شعبان المعظم کی رات اور یہ دن بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ باقی رہا داعی بابا کا حلوہ، شیطان کی آتش بازی، اور من چلوں کا قبرستان میں میلہ تو یہ شب برأت کے اعمال نہیں ہیں بلکہ شب برأت کے نام پر عیش و عشرت اور خواہش نفس کی صورتیں ہیں۔ جو اس رات کی تقدیس کے بالکل ضد اور خلاف ہیں مگر کھانے پینے والوں نے ان ہی کو اصل شب برأت کا مظاہرہ سمجھ رکھا ہے اور اس بارے میں ان کی اپنی روایات اور کہانیاں ہیں۔ اور ایک شب برأت پر کیا موقوف ہے بہت سے اسلامی تقریبات کو ان لوگوں نے اپنے حظ نفس کا ذریعہ اور آلہ بنا رکھا ہے۔

حیاء اور حیات :- ایک عربی شاعر نے حیاء اور حیات پر دو اشعار کہے ہیں۔

فلا و اللہ ما فی العیش خیر ٭ ولا الدنیا اذا ذھب الحیاء

خدا کی قسم نہ زندگی میں کوئی خوبی ہے اور نہ دنیا میں کوئی مزا ہے جب شرم و حیا ختم ہو جائے۔

یعیش المرءُ ما استحیا بخیرٍ ٭ وَیَبْقَی العُوْدُ مَا بَقِیَ اللِّحَاءُ

آدمی جب تک شرم و حیا کرتا ہے اچھی زندگی گزارتا ہے اور جب تک چھلکا باقی رہتا ہے ڈالی باقی رہتی ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ شرم و حیا زندگی کی زینت اور انسانیت کا زیور ہے، اور جو لوگ اس زینت و زیور کے آراستہ و پیراستہ ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں ان میں بڑی کشش اور خیر و خوبی ہوتی ہے، بخلاف اس کے جو لوگ بے غیرت اور بے شرم بنکر زندہ رہتے ہیں وہ جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں کیونکہ جانوروں میں وہ شعور نہیں ہے جو انسانوں میں ہے اور ان کے لئے شرم و حیاء کوئی چیز نہیں ہے جبکہ انسانوں کے لئے زیب و زینت ہے، اسی لئے شرم و حیاء سے آبرو (چہرے کا پانی) بڑھتی ہے اور بے شرمی و بے حیائی سے کم ہوجاتی ہے، جن کو شرم و حیاء کا پاس نہیں ہے وہ چوپائے بلکہ ان سے بھی کمتر درجہ کے ہیں۔

بعض لوگ بے غیرتی، بے حیائی اور بے شرمی کو آرٹ، کلچر اور ترقی سمجھتے ہیں یہ ان کے آبرو باختہ ہونے کی نشانی ہے، ایسے لوگوں سے زیادہ تعلق نہیں رکھنا چاہئے ورنہ ان کے جُذام کے جراثیم سے معاشرہ میں بے شرمی کا کوڑھ پھیل جائیگا۔

دو بیویوں میں شوہر کا دل :- ادب و محاضرات کی کتابوں میں ایک واقعہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے ایک نئی بیوی سے شادی کی یہ نئی بیوی بہت اتراتی تھی اور پہلی بیوی کے سامنے سے جب بھی گذرتی تھی، تو یہ شعر پڑھا کرتی تھی،

وما تستوی الرجلان رجل صحیحۃ ÷ ورجل رمی فیہا الزمان فشلت

دونوں پیر برابر نہیں ہو سکتے ایک صحیح و سالم پیر، اور دوسرا وہ پیر جو شل ہو گیا ہو،

اور جب ادھر سے واپس ہوتی تھی تو یہ شعر سناتی تھی۔

وما یستوی الثوبان ثوب بہ البلی ÷ وثوب بایدی البائعین جدید

اور دونوں کپڑے یکساں نہیں ہو سکتے ایک کپڑا جو پرانا ہے۔ اور دوسرا کپڑا جو بیچنے والوں کے ہاتھ میں نیا ہے۔

پہلی بیوی بیچاری یہ تماشا دیکھتے دیکھتے عاجز آگئی، اور سوچا کہ نئی نویلی بیوی کو شائد سمجھ میں آجائے اور اترانا چھوڑ دے۔ مگر جب اس کی حالت نہیں بدلی تو اس نے بھی ایک دن دوسری بیوی کے دروازہ پر جاکر یہ اشعار سنائے۔

نقل فؤادک حیث شئت من الہوی : ما القلب الا للحبیب الاول

جہاں ہوس میں پڑ کر اپنے دل کو جہاں چاہے لیجا۔ مگر دل تو پہلے ہی حبیب کے پاس رہے گا

کم منزل فی الارض یالفہ الفتی ÷ وحنینہ ابداً لاول منزل

زمین میں بہت سے ایسے گھر ہیں جن سے آدمی محبت کرتا ہے۔ مگر اسکی تڑپ پہلے ہی گھر کے لئے ہمیشہ ہوتی ہے۔

ان اشعار کو سنکر نئی بیوی اپنا سا منہ لیکر رہ گئی، اور مثل پوری ہو گئی کہ "سو سنار کی، نہ ایک لوہار کی"

بات بالکل ٹھیک ہے۔ بیاہی بیوی اپنے شوہر کے نزدیک جو مقام رکھتی ہے دُواہی بیوی کو وہ حاصل نہیں ہوتا، دوسری بیوی کو اسے سمجھنا چاہئے۔ البتہ شوہر کو اپنی دونوں بیویوں کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھنا چاہئے۔

ظالم پر لعنت اس کے منہ پر :- ادب و محاضرات کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مشہور سفاک و ظالم حُجاج بن یوسف ثقفی ایک دن تن تنہا واسط شہر کے باہر نکل گیا، جہاں ایک باغبان کو دیکھا کہ اپنے باغ سینچ رہا ہے۔ حجاج نے اس سے دریافت کیا کہ باغبان! حجاج بن یوسف کا معاملہ تم لوگوں کے ساتھ

کیسا ہے؟ یہ سنتے ہی اس نے کہا کہ اللہ حجاج پر لعنت کرے، وہ تو تباہ کرنے والا، ہلاک کرنے والا، کینہ پرور، حاسد، انتقام لینے والا، عیش و نعمت کو ختم کرنے والا، ناحق خون گرانے والا، دوست احباب میں جدائی کرنے والا، عورتوں کو رانڈ، لڑکوں کو یتیم کر ڈالنے والا اور جان لینے والا ہے، اللہ تعالیٰ جلد از جلد اس سے انتقام لے اور اسکی سختی و تیزی کو اسلام اور مسلمانوں سے دور فرمائے۔

حجاج بن یوسف اپنی تباہی و بربادی کی یہ تمام بددعائیں سنتا رہا اور اپنے بارے میں ایک عامی آدمی کے بُرے تاثرات معلوم کرتا رہا۔ جب باغبان اپنی بات کہہ چکا حجاج نے اس سے پوچھا کہ تم مجھے پہچانتے ہو؟ باغباں نے کہا نہیں! اس پر حجاج نے کہا کہ میں ہی حجاج بن یوسف ہوں، یہ سنتے ہی باغباں نے یقین کر لیا کہ اب موت قریب ہے اور خون گرنا ہی چاہتا ہے۔ مگر اس نے اپنے اوسان خطا نہیں ہونے دئے اور نہ اپنے احساس و شعور کو قابو میں رکھکر اپنے ہاتھ کی لاٹھی اٹھاتے ہوئے کہا۔ اور تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں ابو ثور مجنون ہوں آج میرے لئے جنونی بحران کا دن ہے، مرگی آئے گی منہ سے جھاگ نکلے گی اور میں بے قابو ہوں گا، یہ کہکر وہ جنونی کیفیت میں آگیا اور لاٹھی تان کر حجاج کے سر پر مارنے کے لئے لپکا، اس کی یہ ایکٹنگ اور سوانگ دیکھکر حجاج ہنس پڑا اور وہاں سے آگے نکل گیا۔

حیرت انگیز تیز رفتاری :-

عربوں کی قدیم صفات و خصوصیات میں ایک صفت و خصوصیت تیز رفتاری بھی تھی، اور ان میں تیز رفتار لوگ "عدّار" یعنی دوڑنے والے کہے جاتے تھے، ان کے تذکرے تاریخ و ادب کی کتابوں میں ملتے ہیں جو حیرت انگیز حد تک دلچسپ ہیں، ایسے لوگ سینکڑوں میل دور دراز مقامات پر

جاکر راتوں رات لوٹ مار اور قتل و غارت کرتے تھے اور صبح ہوتے ہوتے اپنی بستی میں آجاتے تھے اور اس مختصر وقت میں بڑے بڑے جرائم کر کے اپنے کو بے قصور ثابت کر لیا کرتے تھے، ان کے یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی، بلکہ ایسے لوگ ان کی بستیوں میں رہتے تھے اور اس کمال میں شہرت رکھتے تھے، ایسی ہی تیز رفتار اور عدّار لوگوں میں حضرت مالک الدار کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مکان کا امیر و والی بنایا تھا اور وہ اس میں لوگوں کو چیزیں تقسیم کیا کرتے تھے، ان کی والدہ کا نام محبتی تھا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رضاعی ماں تھیں، خود مالک الدار حضرت عمر رض کے موالی اور گویا اہل خانہ میں سے تھے۔ اور ان کے موالی میں سے ذکوان نامی ایک بزرگ تھے جو بڑے رعب و داب کے آدمی تھے، اور خلافت کے بعض امور میں دخیل بھی بنائے گئے تھے،

ذکوان کے متعلق علامہ ابن قتیبہ رح نے کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ

وهو الذي سار من مكة إلى المدينة في يوم وليلة [1] — انھوں نے ایک رات دن میں مکہ سے مدینہ کا سفر کیا تھا۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی موجودہ شاہراہ تقریباً ساڑھے تین سو کیلو میٹر ہے، پہلے زمانہ میں اس کا راستہ بحر احمر کے کنارے کنارے پہاڑوں اور ریگستانوں سے ہوکر گذرتا تھا اور نہایت دشوار گذار تھا، اسی قدیم راستہ کو ذکوان نے ایک رات دن میں طے کیا تھا۔ جب موٹر، ریل، ہوائی جہاز نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں تیز رفتاری کی طاقت برق رفتاری کی حد تک عطا کی تھی جس کی وجہ سے انسانوں کا کام چلتا تھا اور بڑی سے بڑی مسافت کم سے کم وقت میں طے ہو جاتی تھی، اور جب تیز رفتار سواریاں

[1] المعارف ص ۹۲

ہوگئیں اور انسانوں نے قدرت کی بخشی ہوئی طاقت کا استعمال ترک کر دیا تو دو چار میل پیدل چلنا بھی دوبھر ہوگیا۔ یہی حال دوسرے معاملات میں ہے چشمہ اور عینک پر اعتماد ہوا تو قوت بینائی بچپن ہی سے ختم ہونے لگی ورنہ اسی برس کے بوڑھے نوجوانوں کی طرح دیکھتے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر اور مکبر الصوت پر اعتماد ہوا تو قوت سماع ضایع ہوگئی، اور اب سو پچاس آدمی کا مجمع بھی ایک مقرر کی بات نہیں سنتا، حالانکہ اب سے پہلے کمزور آواز کا مقرر دس دس ہزار کے مجمع کو خطاب کرتا تھا، اور سب لوگ سنتے تھے،

سائنس اور مذہب :- اتفاق سے سائنس کی نشأۃ ثانیہ کے وقت سائنس کو جس مذہب سے سابقہ پڑا وہ عیسائیت تھا جس نے صدیوں سے علم وعقل کے دروازے اپنے اوپر بند کرلئے تھے، اور مسیحی پادریوں کی کونسل کے اس قسم کے علوم وفنون حرام قرار دئے تھے جو ان کے مفروضات کے خلاف پڑتے، چنانچہ محکمۂ احتساب نے کتنے ایسے عقلاء وفلاسفہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جنھوں نے کلیسائی طلسمات کے خلاف بات کی، اس لئے سائنس دانوں کو مذہب کے خلاف جو جنگ لڑنی پڑی اس نے ان کو مذہب سے بیزار کردیا۔ اور انھوں نے مذہب کو سائنس کے مقابل سمجھ لیا پھر چونکہ بہت سے مسلمان یورپ کے علم وایجادات سے ذہنی اور فکری مرعوبیت میں مبتلا ہوکر احساس کمتری کا شکار ہوگئے۔ اس لئے ان بیچاروں نے بھی کہنا شروع کیا کہ سائنس کا ٹکراؤ اسلام سے بھی ہے۔ حالانکہ کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں ہے، سائنس نام ہے ان موجودات کی حقیقت وقوت کا پتہ چلانا جو انسانی قوت ادراک میں آسکتے ہیں اور جو خارج میں موجود ومحسوس ہیں۔ باقی جو حقائق انسانی دریافت سے باہر ہیں اور انکو دیکھکر، سنکر، چکھکر، سونگھ کر، یا اور کسی طرح معلوم نہیں کیا جا سکتا، وہ سائنس کے

موضوع اور اس کی بحث خارج ہیں، اس لئے آفاقی اور تکوینی امور ومعاملات تک سائنس کی رسائی ہے۔ اور اسی حد میں وہ اپنا کام کرتی ہے، اور قرآن میں جگہ جگہ آیات آفاقیہ اور آیات تکوینیہ (کائناتی نشانیاں اور بننے بگڑنے والی نشانیاں) انسانی احساس وشعور کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ اور ان میں غور وفکر کی ترغیب دی گئی ہے، کوئی خلا میں رہے یا خلا میں جائے اسلام کو اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے بلکہ وہ ایسی انسانی کوشش کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ البتہ اتنی قید لگاتا ہے کہ عقل سلیم اور قلب سلیم کی پاسبانی اس علم وتحقیق میں اور غور وفکر میں باقی رہے۔ ورنہ عقل خام کار ٹھوکر کھائے گی اور اس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔

اسلامی قوانین اور رومی قوانین :- اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسیحی علماء اس پہلو کو خاص طور سے سامنے رکھتے ہیں کہ ان میں عقیدہ وعمل کی ہم آہنگی پیدا نہ ہو، یعنی اسلامی عقائد اور مسلمانوں کے اعمال میں یکسانیت باقی نہ رہے، اس سلسلہ میں انھوں نے ان دونوں بنیادوں پر اپنے زعم میں علم وتحقیق کی داد دیکر مسلمانوں کو نشانہ بنایا، تاکہ اسلامی عقائد پر ضرب لگانے کی کوشش کے ساتھ اسلامی اصول وقوانین بھی ان کا نشانہ رہے اور ہیں۔ بلکہ اسلامی قوانین وتعزیرات پر ان دنوں ان کی طرف سے زیادہ توجہ دی جارہی ہے کیونکہ کئی سال کی غلامی کے بعد مسلم ممالک اپنی قسمت کے مالک بن رہے ہیں اور ان کو اب حق ہے کہ اپنے یہاں اپنے قوانین جاری کریں۔

اس سلسلہ میں بعض یہودی مستشرقین اور یورپ کے خود ساختہ محققین نے بڑی جسارت سے کام لیا ہے، چنانچہ گولڈ سیہر نے اسلامی قوانین کے ماخذ پر ایک کتاب لکھی جس میں

ثابت کرنا چاہا کہ مسلمانوں کے فقہی اصول و قوانین رومی قوانین کا چربہ ہیں اور بنوامیہ کے دور میں ان کے شام کے پایۂ تخت میں بیٹھکر علمائے اسلام نے رومن لا کے مقابلہ میں اپنے قوانین تیار کئے اور ساری احادیث انھوں نے اپنی طرف سے تیار کر کے بتایا کہ یہ رسول کے احکام و فرامین ہیں۔ چونکہ شام کا علاقہ ہزاروں سال سے بازنطینی حکومت کا مشرقی مرکز تھا اس لئے یہاں رومی قوانین عام تھے اور مسلمانوں کے لئے یہاں یہ کام کرنا آسان تھا۔
اس قسم کا فریب یورپ کے اہل علم بہت دنوں سے دے رہے ہیں، اور اب جبکہ پچھلے بیس پچیس سالوں سے عالم اسلام میں وقتاً فوقتاً اسلامی حکومت اور اسلامی قوانین کا نام لیا جارہا ہے، یورپ کی طرف سے اسلامی قانون کے نامکمل اور ناکافی ہونے کا یقین تیزی کے ساتھ پھیلایا جا رہا ہے۔ ادھر بعض مسلم ممالک کے حکمرانوں نے مرعوبیت اور اثر پذیری کی وجہ سے بعض ایسے قوانین جاری کئے ہیں جو اسلامی قوانین سے ٹکراتے ہیں، ان کی وجہ سے گویا یورپ کے گمراہ پروپیگنڈہ کو تقویت مل گئی ہے، چنانچہ اب دوسرے مسلم ممالک یا مسلمانوں کی آبادی میں اس قسم کی حرکت کرنے کا ذوق عام کیا جا رہا ہے، حتیٰ کہ حکومتِ ہند نے بھی بعض خالص اسلامی مسائل و قوانین میں مسلم ممالک کی مثال کی روشنی میں تبدیلی کا ذوق رکھتی ہے۔ حالانکہ اسلام ایک کامل و مکمل نظام ہے جس میں کسی قسم بنیادی تبدیلی، یا رد و بدل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور کوئی مسلم حکومت یا غیر مسلم اپنے عمل سے اس بارے میں حجت نہیں ہے۔

اسلامی قوانین کی روح یہ ہے کہ انسان ان کا مرتب و مقنن نہیں بن سکتا بلکہ قانون صرف اللہ تعالیٰ کا جاری ہوتا ہے، رسول اس کے شارح و مفسر اور مبلغ ہیں اسی لئے اسلامی قوانین کی بنیاد صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہے، اور کسی انسان کو حق نہیں پہونچتا کہ وہ اللہ کے بندوں کے لئے قوانین بنا کر ان پر چلنے پر مجبور کرے، اس لئے

اسلامی قوانین میں ارتقاء کی گنجائش تو ہے مگر تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے یعنی اسلامی قانون کی روح کی پوری طرح بحالی کے ساتھ زمان و مکان کے حالات کے پیش نظر ارتقائی صورت پیدا کی جا سکتی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ کہیں سے اسلامی قانون کی روح پر زد نہ پڑے اور جہاں کسی قسم کی کوئی آنچ اس پر آئی کہ یہ ارتقائی صورت بھی نہیں پیدا ہو سکے گی۔ اور اس کے لئے معیار وہ علمائے اسلام ہوں گے جو کتاب و سنت کے پورے عالم ہوں اور ان کا عمل سراسر دینی و اسلامی ہو، صرف معلومات کافی نہیں ہیں۔

قدیم و جدید:— یورپ کے مستشرقین یعنی علوم مشرقیہ سے تعلق رکھنے والے اہل علم عموماً علم و تحقیق سے دور اور جہل مرکب سے قریب ہوتے ہیں یعنی نہ جاننے کے باوجود اپنے کو عالم و محقق سمجھ کر دنیا کے سامنے اپنی تحقیقات ناقصہ اور معلومات بے مایہ پیش کرتے ہیں، اور چونکہ ان کا رخ زیادہ اسلامی علوم و فنون کی طرف ہوتا ہے اس لئے یورپ کا عام ذہن اسلام دشمنی کی وجہ سے ان کی باتوں کو خوب خوب اچھالتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کا پروپیگنڈا کرتا ہے جس سے مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بہت جلد بلا سوچے سمجھے متاثر ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ طبقہ سب کچھ پڑھتا ہے مگر اپنی روشن خیالی اور تجدد پسندی کے چکر میں پڑ کر اسلامی علوم و معارف سے دلچسپی نہیں رکھتا، اور اپنی سادگی اور بے وقوفی و لاعلمی کی وجہ سے آنکھ بند کر کے ان محققینِ یورپ کی باتوں کو تسلیم کر لیتا ہے۔ یورپ کے ان مستشرقین کی مثالیں ان سے متاثر ایشیائی ذہنوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خود ہندستان و پاکستان میں مسلمانوں کے اندر ایسے آسیب زدہ اہل علم موجود ہیں، جو ان ہی کے انداز پر علمی و تحقیقی کام کرتے ہیں، چنانچہ گذشتہ دنوں دہلی یونیورسٹی میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ پر اسی قسم کا ایک تحقیقی لکچر علی گڑھ کے ایک سابق

استاذ تاریخ سے دلایا گیا جس میں اخباری روایت کے مطابق پروفیسر حبیب صاحب نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو ایک سیکولر قسم کے ایسے الیسی روحانی شخصیت کی حیثیت سے پیش کیا جو گویا وحدتِ ادیان کے قائل تھے اور کافر و مومن کے فرق کے قائل نہ تھے، اور اپنی جہالت کا سب سے بڑا ثبوت انھوں نے اس لکچر میں یہ پیش کیا کہ ایک مشہور حدیث کو قرآن کی آیت بتا کر بیان کیا۔ اس لکچر کی زبان بھی حسن انشاء اور صحتِ املاء کا شاندار نمونہ تھا۔

یہ تو ایک نمونہ کی بات تھی ویسے بھی ہمارے استشراق زدہ محققین ادھر ادھر سے ملا کر تحقیقی مقالہ لکھنے اور پڑھنے میں اچھے خاصے ماہر ہوتے ہیں، راقم نے بھی مقالہ خوانوں کی چند محفلوں میں شریک ہو کر ان کا انداز فکر و فن معلوم کر لیا ہے، اس لئے ایسے مقالوں کا بے مغزی معلوم ہو چکی ہے، پھر ایسے مقالہ خواں و مقالہ نویس اپنا مقالہ سنانے کے لئے حماقت کی حد تک شوق ظاہر کرتے ہیں۔ اور جاہے کچھ ہو اپنا مقالہ سنائے بغیر چین نہ خود لیتے ہیں نہ سامعین کو چین لینے دیتے ہیں، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہ لیا جائے کہ مستشرقین میں یا یہاں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں معیاری اہل علم و تحقیق نہیں ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان میں اچھے اچھے اہل علم و فن بھی موجود ہیں جو واقعی اپنی علمی و تحقیقی کاوشوں کو بڑی تلاش و تحقیق کے بعد پیش کرتے ہیں اور ان میں بڑا وزن ہوتا ہے۔ یہ بات جو اوپر ایک مثال دے کر بیان کی گئی ہے بے کیف و کم محققین اور ریسرچ اسکالروں کی ریسرچ اور اسٹڈیسی کے بارے میں ہے۔ جو دو ایک مقالہ لکھتے ہیں اور اس کو علم و تحقیق کا آخری معیار سمجھ کر دوسروں کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، ضرورت ہے کہ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اپنے علمی و فنی معیار کو بلند کرے۔ اسے یورپ سے ٹکر لینی ہے اور اسکے مقابلہ میں اپنے کو پیش کرنا ہے۔